اکبر حمیدی کی خاکہ نگاری کا تنقیدی جائزہ

طارق محمود سلیمی
سابق صدر شعبہ اُردو
گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، جہلم

AKBAR HAMEEDI AS A SKETCH WRITER

Tariq Mehmood Salimi
Former Chairman Department of Urdu
Govt. Post Graduate College, Jehlem

Abstract

Akbar Hameedi was not only a poet but also a good sketch writer of Urdu language. He wrote two books on sketch: Qadd-e-Adam and Chhoti Dunya Baray Log. He covered literary as well as common folks in these books. Captivating style of narration of unknown people is the salient feature of his sketches. It is rather difficult to write pen sketches of one's family members, but Hameedi wrote very striking character sketches of his close relatives, and instilled life in them. He also highlighted social and cultural aspects of rural life through these sketches.

Keywords:

جوش ملیح آبادی، عبدالرشید تبسم، اکبر حمیدی، شاعر، انشائیہ، خاکہ نگار، سمندر

اکبر حمیدی (۲۰۱۱۔۱۹۳۴) ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔وہ ایک بڑے شاعر ہی نہیں بل کہ انشائیہ نگار اور خاکہ نگار بھی تھے۔ان کے خاکوں کے دو مجموعے '' قدآدم'' اور ''چھوٹی دنیا بڑے لوگ'' کے نام سے شایع ہوئے ہیں۔ ''قدآدم'' بٹر پبلشرز نے ۱۹۹۳ میں شایع کی جب کہ ''چھوٹی دنیا بڑے لوگ'' اسی ادارے نے ۱۹۹۹ میں شایع کی۔ان کے خاکوں میں ادبی اور غیر ادبی دونوں قسم کی شخصیات شامل ہیں۔قدآدم کا دیباچہ اکبر حمیدی نے خود ''میرے خاکے'' کے عنوان سے لکھاجب کہ '' چھوٹی دنیا بڑے لوگ'' کا دیباچہ، پیش لفظ کے عنوان سے پروفیسر نظیر صدیقی نے تحریر کیا۔ حرفِ چند کے عنوان سے اس میں ڈاکٹر سید معین الرحمان کی رائے بھی شامل کی گئی ہے۔

''قدآدم'' دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں سات خاکے، میاں جی، ماں جی، اباجی، بے بے جی، سونے کا بناہوا آدمی، بھائی لیاقت احمد اور پاگل شامل ہیں۔یہ خاکے ان کے عزیز واقارب اور گاؤں کے احباب پر مشتمل ہیں۔ ''قدِآدم'' کا دوسرا حصہ چودہ خاکوں پر مشتمل ہے۔یہ خاکے جوش ملیح آبادی، ڈاکٹر وزیر آغا، محمد طفیل، ڈاکٹر وحید قریشی، مظفر علی سید، پروفیسر نظیر صدیقی، پروفیسر غلام جیلانی اصغر، ڈاکٹر عبدالرشید تبسم، عبدالواحد راسخ عرفانی، منشایاد، ڈاکٹر رشید امجد، محمود احمد قاضی، عذرا اصغر، اور اختر امان کے ہیں۔

''چھوٹی دنیا بڑے لوگ''میں گیارہ خاکے شامل ہیں۔ان میں سے آٹھ خاکے ان کے پہلے مجموعے ''قدآدم' '' میں بھی شامل ہیں۔ تین اضافی خاکے ''بابو جی''، ''بڑمدا''اور ''عظیم''ہیں۔ یوں اکبر حمیدی کے کل خاکوں کی تعداد چوبیس بنتی ہے۔ان خاکوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے خاکے ان کی خودنوشت ''جست بھر زندگی میں'' بھی نظر آتے ہیں۔اکبر حمیدی نے اگرچہ خود بھی ان خاکوں کو دو حصوں میں تقسیم کیاہے اگر وہ نہ بھی کرتے تب بھی قاری آسانی سے ان کو دو حصوں میں منقسم کر سکتا تھااور وہ دو حصے ہیں بڑے شہروں کے لوگ، یاوہ لوگ جن سے ان کی بڑے شہروں میں ملاقات ہوئی۔ دوسرے چھوٹے شہروں کے سادہ مزاج لوگ۔اکبر حمیدی نے جن شخصیات کے بارے میں لکھاہے ان کی شخصیت کا بنظرِ غائر مطالعہ کیاہے۔ان شخصیات سے ان کے قریبی تعلقات رہے ہیں اور ان کی زندگی کو بہت قریب سے دیکھاہے۔ان کے خاکوں کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے بہت سے خاکے اپنے قریبی عزیزوں کے متعلق لکھے ہیں یہاں ہم انھی کا جائزہ لیں گے۔

قدِ آدم کا پہلا خاکہ ''میاں جی'' کے نام سے ہے۔ میاں جی اکبر حمیدی کے تایا ابا تھے جنھیں گھر میں سب چھوٹے بڑے میاں جی کے نام سے پکارتے تھے۔ انھوں نے اکبر حمیدی کو بچپن میں ان کی والدہ کے انتقال کے بعد اتنی محبت دی کہ وہ اپنے والد کو بھی بھول گئے۔ میاں جی کے دن کا آغاز مسجد میں نماز ادا کرنے سے ہوتا اور اس کے بعد سیدھے اپنی والدہ کے پاس حاضر ہو جاتے۔ اکبر حمیدی نے میاں جی کو سراپا محبت قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر رشید امجد اس خاکے میں میاں جی کی خلیہ نگاری کو اکبر حمیدی کا کمال سمجھتے ہیں جس میں خلیے کے ساتھ ساتھ میاں جی کی شخصیت کی جھلکیاں بھی سامنے آگئی ہیں۔(۱)

''قدِ آدم'' کا دوسرا خاکہ ''ماں جی'' کے عنوان سے ہے۔ اپنی دادی اماں کو اکبر حمیدی ماں جی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اکبر حمیدی کی والدہ کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ اکبر حمیدی لکھتے ہیں ''ماں جی نے مجھے ماں کی محبت دی بل کہ یوں سمجھیے زندگی چھن جانے پر مجھے زندگی دی۔''(۲) ماں جی ایک محبت اور محنت کرنے والی خاتون کے طور پر سامنے آتی ہیں جن کے بچے بر سر روزگار ہو کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ لیکن وہ کوئی بھی وقت بے کار نہیں گزارتیں اور اذانِ فجر سے پہلے ہی چرخہ کاتنا شروع کر دیتی ہیں۔ ماں جی ہمارے گاؤں کی اس تہذیب کا حصہ ہیں جو گھر کا سامان سینت سینت کر رکھتی ہیں اور ضرورت پڑنے پر اپنے بچائے گئے ''سنہری پونڈ'' اپنے میاں کے حوالے کر دیتی ہیں۔ اس خاکے کے بارے میں پروفیسر نظیر صدیقی لکھتے ہیں کہ '' اکبر حمیدی نے ماں جی کے نام سے اپنی ماں کی قلمی تصویر اس قدر فنی گرفت اور قابلیت سے بنائی ہے کہ ہمیں کہانی کار قدرت اللہ شہاب کی بنائی ہوئی مشہور قلمی تصویر ماں جی یاد آجاتی ہے۔'' (۳)

''ابا جی'' اکبر حمیدی کے والد، منظور احمد منظور کا خاکہ ہے، جو انھوں نے اس چابکدستی سے لکھا ہے کہ ان کی پوری کی پوری شخصیت ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اکبر حمیدی کی ابتدائی زندگی میں وہ ان کی طرف سے بے پروا اور اپنے آپ میں گم نظر آتے ہیں اسی لیے اکبر حمیدی کہتے ہیں کہ میں نے دسویں میں آکر آنکھ کھولی اور اس وقت تک ابا جی کو چچا ہی کہا کرتا تھا۔ اس خاکے میں انھوں نے ان کی ساری سرگرمیوں کو اس طرح سمیٹا ہے کہ ان کی پوری کی پوری شخصیت قاری کے سامنے آجاتی ہے۔ وہ نہ تھکنے والے اور نہ جھکنے والے انسان تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کی ''اننگ'' اپنی مرضی اور اپنے اصولوں کے مطابق کھیلی ہے۔ وہ اکبر حمیدی کے دوستوں کو بھی اپنے ہی دوست سمجھتے ہیں۔

اس خاکے کے بارے میں پروفیسر غلام الثقلین کہتے ہیں:

''ابا جی ایک نہایت اثر انگیز خاکہ ہے۔ اپنے والد محترم کا خاکہ لکھنا بہت مشکل ہے۔ بعض اوقات جوش محبت میں آدمی مبالغہ اور غلو کی حد تک جا پہنچتا ہے۔ اکبر حمیدی بڑی کامیابی سے اس سے دامن بچا گئے ہیں۔'' (۴)

ڈاکٹر رشید امجد کا خیال ہے کہ اکبر حمیدی نے اس خاکے میں جو استعاراتی انداز اختیار کیا ہے اس نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے اور انھوں نے کم سے کم لفظوں میں اپنے والد کی شخصیت کے زیادہ سے زیادہ پہلوؤں کو اس طرح نمایاں کیا ہے کہ ان کی جیتی جاگتی زندگی کی تصویر ہمارے سامنے آگئی ہے۔(۵)

''بے بے جی'' اکبر حمیدی کی تائی اماں کا خاکہ ہے جنھیں ان کے بچے اور اکبر حمیدی بے بے جی کہہ کر پکارتے تھے۔ پورے گھر کی سرگرمیاں ان کے گرد گھومتی ہیں وہ ہمارے روایتی گھرانوں کی طرح، گھر کے اندر کی ''سربراہ ادارہ'' ہیں۔ یہاں خاندان کا سربراہ بھی، گھر کے اندرونی معاملات میں ان کی حکم عدولی کرتا نظر نہیں آتا۔ وہ دوسروں کی حماقت برداشت نہیں کرتیں۔ اس خاکے میں ان کی شکل وصورت، شخصیت اور لباس کی جو تصویر کشی اکبر حمیدی نے کی ہے اس کی مثال شاید ہی کہیں اردو خاکوں میں مل سکے۔ اس خاکے کے بارے میں رام لال لکھتے ہیں:

''اکبر حمیدی نے 'بے بے جی' کے نام سے ایک بزرگ خاتون کی شخصیت اور ان کے دبدبے اور عروج وزوال پر جو خاکہ سپرد قلم فرمایا ہے وہ متاثر کرتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 'بے بے جی' اپنے ہی خاندان کی کوئی فرد تھیں جو کچھ تو نئی نسل کے نظرانداز کیے جانے پر اور کچھ عذاب الٰہی کی وجہ سے ایک شاندار عمارت کی طرح ایک خاص مدت تک اپنا شان وشکوہ دکھا کر رفتہ رفتہ معدوم ہو گئی۔'' (۶)

''بھائی لیاقت احمد'' ان کے تایازاد بھائی کا خاکہ ہے۔ وہ پولیس سارجنٹ کے طور پر ریٹائر ہوئے۔ اکبر حمیدی ان کی شخصیت، ان کے اٹھنے بیٹھنے، کپڑے پہننے اور ''چھب'' سے بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ انھوں نے ٹریفک پولیس، جس میں رشوت کا چلن عام ہے، انتہائی ایمان داری سے نوکری کی، جسے آئی جی بھی سیلوٹ کرتا ہے۔ وہ خاموشی سے ریٹائر ہو کر اپنے آبائی گھر میں انتہائی سکون سے زندگی گزارنے لگتے ہیں۔ اس خاکے میں انھوں نے ہمارے معاشرتی رویوں کی بھی خوب صورت عکاسی کی ہے۔

اکبر حمیدی نے اپنے ماموں اور سُسر بابو محمد یوسف کا خاکہ '' بابو جی'' کے نام سے تحریر کیا۔ وہ ان کی والدہ کے اکلوتے بھائی تھے اور سیالکوٹ کے گاؤں ''مالو کے بھگت'' کے رہنے والے تھے۔ اس خاکے میں اکبر حمیدی نے اس گاؤں اور اس کے قریبی قصبہ ''کالر والہ'' کی تہذیبی زندگی کا خوب صورت مرقع بھی قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ ایک تاثراتی قسم کا خاکہ ہے جس میں اکبر حمیدی نے اپنے تاثرات کے ذریعے اپنے ماموں کی کردار نگاری کی ہے۔

''بڑمدا'' اکبر حمیدی کے خاندان کے ایک اور بزرگ '' باباجی احمد خان'' کا دل موہ لینے والا خاکہ ہے۔ باباجی ان کے دادا جی کے سُوتیلے بھائی تھے۔ وہ پڑھے لکھے نہیں، جوانی میں نہایت جی دار، چمکیلے، لشکیلے، روشن چہرے والے صحت مند نوجوان تھے۔ مجلس آرائی اور کبڈی ان کے شوق تھے۔ جوانی میں شادی کی لیکن نبھ نہ سکی۔ ڈیرے پر ان کا قیام تھا اور مویشیوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ حقہ نوشی کے رسیا تھے اور حقے کے شوقین حضرات ان کے پاس جمع رہتے۔ مویشیوں کے لیے پٹ سن یا سنو کڑے کے رسے بناتے، بنانے کے بعد کھینچ تان کر اس کا معاینہ کرنے کے بعد کہتے '' بڑمدا اے'' یعنی بہت اچھا ہے۔ ان پڑھ ہونے کے باوجود کئی کہانیاں انھیں یاد تھیں۔ رات کو حقہ پیتے ہوئے اس خوب صورتی سے سناتے کہ سامعین ان کی کہانیوں میں کھو جاتے۔ پنجابی کے کئی شاعروں کا کلام انھیں ازبر تھا جسے وہ اپنی پاٹ دار آواز میں شاعرانہ انداز میں سناتے اور سماں باندھ دیتے تھے۔ ان کی شخصیت کی ایسی چمک دمک تھی جو دوسروں کو حیران کر دیتی۔ وہ انسانی نفسیات کے نباض تھے۔ اکبر حمیدی کو انھوں نے مقابلہ کرنے کا خوب صورت گر سکھایا۔ آخری عمر میں انھیں پے در پے حادثات کا سامنا کرنا پڑا، چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے، بیساکھیوں کا سہارا لیا لیکن ان کے بھاری جسم کو بیساکھیاں سہارا نہ دے سکیں۔ گھسٹتے ہوئے زندگی کے آخری دن، بغیر شکست تسلیم کیے بسر کر دیے۔ خاکہ نگار کی بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ قاری کے دل میں، موضوع خاکہ کے لیے ہم دردی کے جذبات پیدا کرے۔ اس خاکے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکبر حمیدی اس حوالے سے بھی ایک کام یاب خاکہ نگار ہیں۔ باباجی کی شخصیت کا اظہار انھوں نے جس انداز میں کیا ہے وہ قاری پر ایسا گہرا تاثر چھوڑتا ہے کہ خاکہ ختم ہونے پر احساس ہوتا ہے کہ کیسی شان دار شخصیت اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔ اس خاکے کے بارے میں محمود احمد قاضی لکھتے ہیں:

> ''اس کردار نے واقعی اکبر حمیدی کو اکبر حمیدی بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اس کردار نے اسے زمانے سے ٹکراؤ اور بچاؤ دونوں طرح کے داؤ پیچ سے آگاہ کیا اور اتنی

محبت کے ساتھ کہ آج خود دوسروں میں یہی محبت بانٹتا پھرتا ہے۔ بڑمدا جیسے لوگ کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں۔ یہ زندگی سے جڑا ہوا اور بہت مضبوط کردار ہے۔'' (۷)

''خورشید بیگم'' اکبر حمیدی کی دوسری والدہ تھیں جن کا خاکہ انھوں نے ''عظیم'' کے نام سے لکھا۔ انھوں نے ان کے لیے کہیں بھی سوتیلی کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ وہ لکھتے ہیں ''اگر دوسری والدہ ایسی ہوں جیسی میری دوسری والدہ ہیں تو خدا کرے پہلی والدہ بھی ایسی ہی ہوا کریں۔۔۔ اتنی ہی صاف دل اور اتنی ہی ایثار کرنے والی۔۔۔ اتنی ہی عظیم۔''(۸) ان کی دوسری والدہ کی اہمیت اور عظمت کا اظہار یوں بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی سگی والدہ کا کوئی خاکہ نہیں لکھا۔ ان کی دوسری والدہ نے ان کی کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ حالاں کہ اکبر حمیدی اپنے آپ کو ''کوڑک دانہ'' کہتے ہیں، جسے کوئی نگلنے کو تیار نہیں ہوتا۔ وہ زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھیں لیکن اس کے باوجود دانائی، فراست اور انسانی نفسیات کی نباض تھیں۔ اکبر حمیدی کہتے ہیں جیسے جیسے ان کی عمر بڑھی ویسے ویسے ان کی محبتیں اور ایثار بھی بڑھے۔ آخری عمر میں انھیں کینسر ہو گیا اور اسی میں ان کا انتقال ہوا۔ اس خاکے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ایثار، قربانی، اور محبت کے جذبے کس طرح اکبر حمیدی کی شخصیت میں بھی داخل ہو گئے اور اکبر حمیدی بالواسطہ طور پر اُن کی اِن قربانیوں کا اظہار اپنی محبت سے لوٹانا چاہتے ہیں جو انھوں نے اس خاکے کی شکل میں ان کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ان کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔

اکبر حمیدی کے خاکوں کے تنقیدی جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انھوں نے ان شخصیات کے بارے میں خاکے تحریر کیے ہیں جن کو انھوں نے قریب سے دیکھا۔ اپنے خاکوں کے بارے میں اکبر حمیدی کہتے ہیں کہ جن شخصیات کے خاکے میں نے لکھے ہیں ان میں خاکے پہلے سے ہی موجود تھے۔ گویا یہ شخصیات ایسی تھیں جو خاکے لکھوانے کی مستحق اور حق دار تھیں۔ ان کے بارے میں خاکے لکھنے کی وجوہات کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے مائیکل انجلو کی مثال دی ہے کہ وہ کہتا تھا کہ پتھر میں مجسمہ پہلے ہی موجود ہوتا ہے میں صرف فالتو پتھر اتار دیتا ہوں۔(۹)

ان کے خاکوں کے ابتدائی جملے بڑے موثر ہیں۔'' میاں جی '' کے خاکے کا آغاز اس جملے سے ہوتا ہے ''میاں جی نے مجھے اتنا پیار دیا کہ میں ایک عرصے تک ابا جی کو بھولا رہا۔۔۔ کیا آپ یقین کریں گے''(۱۰) اس جملے میں جو معنویت اور خلوص پوشیدہ ہے اس سے انکار ممکن نہیں اور یہ قاری

کے لیے خاکے کے مطالعے کے لیے مہمیز بھی بن جاتا ہے۔ خاکے کے اس انداز سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اکبر حمیدی قاری کو اپنی گرفت میں لینے کے فن سے آشنا ہیں۔

اکبر حمیدی کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں اور قصبوں کی تہذیب اور رہن سہن کو زندہ کرنے کی ایک کوشش کی ہے۔ آپ ان کی آپ بیتی پڑھیے یا ان کے خاکے، آپ خود کو اکبر حمیدی کے گاؤں کی گلیوں میں چلتے پھرتے محسوس کریں گے۔ آپ ان خاکوں سے نہ صرف اکبر حمیدی کے گاؤں سے متعارف ہوتے ہیں بل کہ یہ پنجاب کے کسی بھی گاؤں کا تعارف بن جاتا ہے۔ ایک وقت تھا کہ جب دیہاتوں میں بڑے لوگوں کے بچے بھی عام دیہاتیوں کے ساتھ میلے ٹھیلوں میں جاتے ہیں اور تالابوں میں نہاتے ہیں اور پھر ڈھور ڈنگروں کے پیچھے بھاگتے نظر آتے ہیں، یا پھر گائے یا بھینس کی دم پکڑ کر ''مچھانے'' میں ڈبکیاں لگاتے ہیں۔ یہی ان کی دل چسپیاں ہیں یہی ان کے مشغلے۔ سید ضمیر جعفری لکھتے ہیں:

> '' اکبر حمیدی نے پنجاب کے دیہات کی تمدنی اور معاشرتی زندگی کی جیتی جاگتی تصویر کشی کی ہے۔ میرے اہل وطن کی موجودہ نسل اس کو غور سے پڑھ لے کہ کچھ عرصہ بعد یہ زمین شاید اس زندگی سے محروم ہو جائے۔''(۱۱)

اکبر حمیدی نے اپنے خاکوں میں صرف اپنی شخصیات کو پیش نہیں کیا بل کہ اس کے پس منظر میں انھوں نے گاؤں کے لوگوں اور بچوں کی مصروفیات اور مشغلوں کو بیان کرنے کی بھی کوشش کی ہے، کیوں کہ نہ تو ان دیہاتوں میں کوئی پارک ہوتے ہیں، نہ ہی سیر گاہیں، اور نہ ہی پک نک سپاٹ۔ گاؤں کے لوگوں کی دل چسپی انھی چھوٹی چھوٹی باتوں سے جڑی ہوتی ہے۔ اکبر حمیدی کے خاکوں سے ان لوگوں کے میلانات، رجحانات، طبیعت کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے بزرگوں کے خاکوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ''پینڈوں'' لوگوں سے ''اپنے پنڈ'' سے چھٹکارہ پانا ممکن نہیں۔ ان کے عزیز و اقارب نے ساری زندگی شہروں میں نوکریاں کیں لیکن اپنی آخری عمر اپنے گاؤں میں ہی بتائی۔ انھیں اپنے لوگ اور اپنا گاؤں ہی عزیز رہا۔

اکبر حمیدی، اگرچہ طویل عرصہ تک اسلام آباد میں رہائش پذیر رہے، لیکن ان کا دل گاؤں میں ہی ''اٹکا'' رہا۔ وہ اسلام آباد جیسے بڑے اور مہذب شہر کا، اپنے چھوٹے گاؤں اور شہر سے موازنہ ہی کرتے رہے۔ پھر بڑے شہروں کے لوگوں میں خلوص، محبت، مروت کی کمی پاتے ہیں یا ان میں ریاکاری

اور چہروں کے نقاب کو دیکھتے ہیں تو انھیں اپنی چھوٹی دنیا کے بڑے لوگ یاد آتے ہیں اور وہ ان کی یادوں کی ایک انجمن سجانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس انجمن میں ہم چھوٹے شہروں کے بڑے لوگوں سے ملتے ہیں۔

اکبر حمیدی کے خاکے صرف ''زیب داستان'' نہیں ہیں بل کہ بامعنی اور جامع تحریریں ہیں۔ اختصار اور جامعیت ان کے خاکوں کی ایک اور بڑی خوبی ہے۔ ان کے بعض خاکوں میں موضوع خاکہ کی زندگی کے کسی ایک پہلو یا زاویے کی ایسی بھرپور جھلک نظر آتی ہے جس سے موضوع خاکہ کی شخصیت پوری رنگارنگی کے ساتھ ہمارے سامنے آن کھڑی ہوتی ہے۔ اکبر حمیدی ان معنوں میں بھی کام یاب خاکہ نگار کہے جا سکتے ہیں کیوں کہ انھوں نے اپنے زیادہ تر خاکوں میں خاکہ نگار کا ہی فرض ادا کیا ہے۔ وہ موضوع خاکہ پر کوئی اخلاقی حکم نہیں لگاتے اور نہ ہی اس کی شخصیت کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں جس کی جیسی شخصیت ہے اسے بلا کم و کاست قاری کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

ان کے یہ خاکے غیر معروف لوگوں کے ہیں جن سے قاری پہلے متعارف نہیں ہے۔ لیکن وہ اپنے خاکے میں اپنے ممدوح کو اس طرح متعارف کرواتے ہیں کہ قاری ان سے شناسائی ہی حاصل نہیں کرتا بل کہ اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ اسے پہلے سے ہی جانتا ہے۔ اکبر حمیدی نے شخصیت کے نفسیاتی مسائل کو سمجھ کر اپنے موضوع خاکہ کی شخصیت کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور یوں وہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک پل صراط سے آسانی سے گزر گئے ہیں۔

خاکہ نگاری میں کردار نگاری کی بڑی اہمیت ہے۔ کردار نگاری سے ہی خاکہ نگار وحدت تاثر کو قائم رکھتا ہے۔ کردار نگاری میں کردار کی سوچ اور فکر واضح ہونی چاہیے۔ اس بات کا بھی خاکہ نگار کو خیال رکھنا چاہیے کہ خاکے کی شخصیت اور خاکہ نگار کی شخصیت الگ الگ رہنی چاہیے یہ نہ ہو کہ ایک کی شخصیت دوسرے کی شخصیت میں ضم ہو جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کردار خاکہ نگار کے ذہن سے نہ سوچیں بل کہ اپنے ذہن سے سوچیں اور خاکہ نگار کی زبان میں بات نہ کریں بل کہ اپنی زبان میں بات کریں۔ اس حوالے سے بھی اکبر حمیدی ایک کام یاب خاکہ نگار ہیں کہ انھوں نے اپنی سوچ کو، کرداروں کی سوچ پر مسلط نہیں کیا۔

خاکے اگرچہ حلیہ نگاری کے بغیر بھی لکھے جاتے ہیں، لیکن خاکوں کی کردار نگاری میں حلیہ نگاری کی بھی خاص اہمیت ہے جو نہ صرف خاکے کی شخصیت کو سمجھنے میں ممد و معاون ہوتی ہے بل کہ اس طرح اس سے خاکے کے تاثر میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ خاکے میں ایجاز و اختصار بھی اسی کی بدولت پیدا ہوتا ہے۔ اکبر حمیدی نے اپنے خاکوں میں جہاں بھی حلیہ نگاری اور سراپا نگاری سے کام لیا ہے وہاں اپنے خاکے کی پوری شخصیت سامنے لے آئے ہیں۔ ان کی حلیہ اور سراپا نگاری کے بارے میں ڈاکٹر رفیق سندیلوی کہتے ہیں:

> '' اکبر حمیدی نے اپنے خاکوں میں حلیہ نگاری یا شخصیت کے ظاہری وضع قطع کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ مگر جن دو ایک مقامات پر دی وہاں کمال کر دیا ہے۔ اس ضمن میں بے بے جی اور بھائی لیاقت احمد کے خاکوں کی مثال دی جا سکتی ہے۔''(۱۲)

حقیت بیانی اور حقیقت نگاری خاکہ کی بنیادی خصوصیت ہے۔ اس کے بغیر تلوار سے تیز اور بال سے باریک پل صراط سے آسانی سے نہیں گزرا جا سکتا۔ اکبر حمیدی کے یہ خاکے ان کے اپنے قریبی احباب کے ہیں لیکن ان کے مطالعے سے یہ احساس ہوتا ہے اکبر حمیدی نے خاکہ نگاری کرتے ہوئے لگی لپٹی رکھے بغیر جس کے بارے میں جو محسوس کیا ہے اسے اسی طرح پیش کر دیا۔

اچھے خاکے کو غزل اور مختصر افسانے سے مشابہ قرار دیا جاتا ہے۔ جس طرح اختصار غزل اور افسانے کی خوبی ہے، اسی طرح اختصار خاکے کی بھی جان ہے۔ اختصار سے مراد یہ نہیں ہے کہ خاکے میں کم سے کم الفاظ کا استعمال کیا جائے بل کہ یہ دریا کو کوزے میں بند کرنے کا عمل ہے۔ اگرچہ اکبر حمیدی کے ہاں طویل اور مختصر دونوں قسم کے خاکے موجود ہیں مگر ان کے زیادہ تر خاکے اختصار کی خوبیوں سے مزین ہیں۔ وہ چند جملوں میں پوری شخصیت کو سمیٹ لینے کے فن سے آشنا ہیں۔ ان کے خاکے نہ صرف خاکہ نگاری کی بنیادی خصوصیات کے حامل ہیں بل کہ ان کے منفرد اسلوب نے ان خاکوں میں جان بھی پیدا کر دی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) رشید امجد، ڈاکٹر، قدِ آدم۔۔۔ ایک جائزہ، مشمولہ ، اکبر حمیدی کا فن: مرتب، رفیق سندیلوی، ڈاکٹر، بٹر پبلشرز، اسلام آباد، ۲۰۰۳، ص ۱۷۴

(۲) اکبر حمیدی، قدِ آدم، بٹر پبلشرز، اسلام آباد، ۱۹۹۳، ص ۲۲

(۳) نظیر احمد صدیقی، پروفیسر، قدِ آدم۔۔ خاکہ نگاری کی ایک اچھی کتاب، مشمولہ، اکبر حمیدی کا فن، ص ۱۶۹

(۴) غلام الثقلین، پروفیسر، فلیپ، چھوٹی دنیا بڑے لوگ، بٹر پبلشرز، اسلام آباد، ۱۹۹۹

(۵) رشید امجد، ڈاکٹر، قدِ آدم۔۔۔ ایک جائزہ، مشمولہ، اکبر حمیدی کا فن، ص ۱۷۵

(۶) رام لال، فلیپ، چھوٹی دنیا بڑے لوگ، بٹر پبلشرز، اسلام آباد، ۱۹۹۹

(۷) محمود احمد قاضی، اکبر حمیدی کے چھکے، مشمولہ، اکبر حمیدی کا فن، ۲۰۰۳، ص ۱۸۲

(۸) اکبر حمیدی، چھوٹی دنیا بڑے لوگ، ص ۱۰۴

(۹) اکبر حمیدی، قدِ آدم، ص ۸

(۱۰) ایضاً، ص ۳۱

(۱۱) سید ضمیر جعفری، چند قدم۔۔۔ قدِ آدم کے ساتھ، مشمولہ، اکبر حمیدی کا فن، ص ۱۶۶

(۱۲) رفیق سندیلوی، ڈاکٹر، قدِ آدم۔۔ ایک مطالعہ، مشمولہ، اکبر حمیدی کا فن، ص ۱۸۸